فکرِ اقبال کی روشنی میں تعلیمِ نسواں: ترجیحات و تحفظات

عظیم اللہ جندران

Azeemullah Jundran

Ph.D Scholar, Department of Urdu,

Lahore Garrison University, Lahore.

Abstract:

Iqbal is strong spokesman of women education. He realizes its high importance due to her prominent social role as wife and mother. He lays emphasis on women's solid religious education in their childhood. Later on, he speaks for specialized education for women that suits to their duties in nation building. Women must follow the ideal life of the most beloved daughter of Hazrat Muhammad Sallalla-ho-Alaih-e-Wa-Alihee-Wa-Sallam. The muslim women should not follow the so called fake norms and temptations of the Western liberty. This essay realizes us that Government may pay special attention towards the promotion of sound and ideological women education upto higher level.

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا یہ واضح مؤقف ہے کہ طبقۂ نسواں کو تعلیم سے محروم رکھنا ایسے ہی ہے جیسے آدھی آبادی کو تعلیم سے محروم کر دیا جائے۔ معاشرہ میں عورت کا بنیادی کردار بیوی اور ماں کی صورت میں ہر گھر میں اُجاگر ہے۔ لہٰذا عورتوں کو حصولِ علم کے معاملہ میں سازگار ماحول اور حوصلہ افزائی فراہم کی جائے۔ عورتوں کے لیے نصاب میں بھی تخصیص کو مدِ نظر رکھا جائے۔ ابتدا میں عورتوں کو ٹھیٹھ مذہبی تعلیم دی جائے۔ فرنگی تہذیب کی تعلیم سراسر موت ہے۔ اس سے اجتناب برتا جائے۔ افکارِ اقبال کی روشنی میں مذہب کی محافظ عورت ہے۔ تعلیمِ نسواں کے بہتر معیار کے لیے علامہ محمد اقبال ملک میں مضبوط معیشت کی بحالی کی طرف بھی توجہ مبذول کراتے ہیں۔ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ عورت ذات کو یہ نصیحت فرماتے ہیں کہ تُو فاطمہ بنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نمونۂ زندگی اختیار کر۔ اقبال عورت کے بارے اس نظریۂ تعلیم کے حامی ہیں کہ وہ ضروری سرگرمیوں میں حصہ لیتی رہے مگر شرعی پردہ کے ساتھ عورت کا سب سے بڑا شرف امومت ہے۔ علم اللسان کی رُو سے اُمت کا مصدر 'اُمّ' ہے۔ امت کا دار و مدار امومت یعنی ماؤں پر ہے۔ امت مستحکم اور علم سے منور تبھی ہو گی جبھی اس کی خواتین علم کے نور سے منور اور بہرہ مند ہوں گی۔ تعلیمِ نسواں کے بارے اقبال کا یہی اہم پیغام ہے۔

تاجدارِ مدینہ۔ راحتِ قلب و سینہ ﷺ کا فرمانِ عالی شان ہے:

''علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔'' (ابنِ ماجہ)

یہ حدیث پاک تعلیم نسواں کی فرضیت پر دلالت کے لیے کافی ہے۔ محمد اقبال تعلیم نسواں کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''ہمارے لیے یہ ضروری ہے کہ تمدن کی جڑ کی طرف اپنی توجہ مبذول کریں اور اپنی قوم کی عورتوں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کریں۔ مرد کی تعلیم صرف فردِ واحد کی تعلیم ہے مگر عورت کی تعلیم ایک خاندان کی تعلیم ہے۔ دنیا میں کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی اگر اس کا آدھا حصہ مطلق جاہل رہ جائے لہٰذا عورت کی تعلیم ضروری ہے۔'' (۱)

درج بالا اقتباس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اقبال عورت کو جاہل رکھنے کے خلاف ہیں اور عورت کی تعلیم کو ناگزیر سمجھتے ہیں اس کے لیے اقبال تین دلائل بھی پیش کرتے ہیں:

۱۔ عورت تمدن کی جڑ ہے اور تمدن کی نشو ونما عورت کی تعلیم سے ہی ممکن ہے۔

۲۔ مرد جو تعلیم حاصل کرتا ہے اس کا فائدہ بالعموم اس کی ذات تک ہی رہتا ہے جب کہ عورت اپنے بچوں کو تعلیم دے کر آئندہ نسلوں کو تعلیم یافتہ بنا سکتی ہے اور یہ اسی صورت ممکن ہے جب عورت تعلیم یافتہ ہو۔

۳۔ عورت کسی بھی قوم کا نصف ہوتی ہے عورت کو تعلیم نہ دینے کا مقصد آدھی قوم کو جاہل اور ان پڑھ رکھنا ہے اس لیے عورت کی تعلیم بے حد ضروری ہے۔

اسی ضمن میں غلام عابد خاں، اقبال کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''عمومیات کو چھوڑ کر اگر خصوصیات پر نظر ڈالی جائے تو عورتوں کی تعلیم سب سے زیادہ توجہ کی مستحق ہے۔ ماں اور بیوی دو ایسے پیارے لفظ ہیں کہ تمام مذہبی اور تمدنی نیکیاں ان میں مضمر ہیں اگر ماں کی محبت میں حُب قوم اور حُب وطن پوشیدہ ہے، تو بیوی کی محبت اس سوز کا آغاز ہے جس کو عشق الٰہی کہتے ہیں۔ پس ہمارے لیے یہ ضروری ہے کہ عورتوں کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کریں۔'' (۲)

نسرین اختر بیان کرتی ہیں:

> ''لاہور میں پیسہ اخبار کے مالک مولوی محبوب عالم کی بیٹی فاطمہ بیگم نے مسلمان لڑکیوں کی تعلیم اور تربیت کے لیے کئی ادارے قائم کیے مگر مشکل یہ تھی کہ قدم قدم پر انہیں رکاوٹیں پیش آرہی تھیں کیوں کہ مسلمانوں کا معاشرہ لڑکیوں کی تعلیم کو برداشت نہیں کر سکتا تھا لہٰذا فاطمہ بیگم کو کئی دفعہ اکثر طعنے سننے پڑے بعض دفعہ وہ علامہ اقبال کی خدمت میں حاضر ہو کر مشورہ حاصل کرتیں ڈاکٹر صاحب ان کی ہمت بندھاتے اور حوصلہ افزائی کرتے ایک بار فاطمہ علامہ صاحب کے ہاں حاضر ہوئیں اور کہا میرے راستے میں بہت زیادہ روڑے اٹکائے جا رہے ہیں اب میں کیا کروں اور سب سے زیادہ تو اس بات کا دکھ ہے کہ مسلمان لڑکیوں میں مذہبی تعلیم کا وہ شغف نہیں جو ان میں فطری طور پر ہونا چاہیے۔

ڈاکٹر صاحب نے فاطمہ بیگم سے کہا آپ مایوس اور دل برداشتہ نہ ہوں اس مذہب کی خوبیاں چالیس سال کی عمر کے بعد ہی سمجھ میں آتی ہیں۔تمہارا کام تو زمین ہموار کرنا ہے اس میں پودا لگانا ہے یہ پودا ایک دن خود بخود تناور درخت بن جائے گا اور پھل لائے گا۔''(۳)

علامہ اقبال دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیم اور قرآنِ مجید کی تعلیم کو ضروری قرار دیتے ہیں مرد ہوں یا عورتیں ان پر لازم ہے کہ وہ بحیثیت مسلمان قرآن مجید کی تعلیمات سے ہر حال میں بہرہ ور رہوں۔ایک مقام پر اقبال اپنی تصنیف ''گفتار اقبال'' میں ناصحانہ انداز میں یوں رطب اللسان ہوئے ہیں:

''دیکھو تم ہی کو اب یہاں رہنا ہے ہم تو مسافر ہیں یاد رکھو مسلمانوں کے لیے جائے پناہ صرف قرآن حکیم ہے۔زمانے کے ساتھ ضرور چلنا چاہیے لیکن اپنے دامن کو اس کے بد اثرات سے آلودہ نہ ہونے دیں۔میں اس گھر کو صد ہزار تحسین کے قابل سمجھتا ہوں جس گھر سے علی الصبح قرآن مجید کی آواز آئے۔قرآن مجید کا صرف مطالعہ ہی نہیں کیا کرو بل کہ اس کو سمجھنے کی کوشش کرو۔''(۴)

اقبال کی رائے میں تعلیمِ نسواں کا نصاب (حد بندی درجہ بندی)

فکرِ اقبال کی روشنی میں نسرین اختر بیان کرتی ہیں:

''عورتوں کے لیے ایسا نصاب تعلیم ہونا چاہیے جو اخلاقی حدود کے اندر رہ کر عورتوں کی صحیح اخلاقی رہنمائی کرے۔علامہ عورتوں کو دنیا کی آبادی کا باعث اور قوموں کے لیے بہترین افراد کے مہیا کرنے کا سبب سمجھتے ہوئے یہ تڑپ اپنے دل میں رکھتے تھے کہ عورتوں کی اگر صحیح اخلاقی حدود میں تربیت کی جائے تا کہ وہ ایک بہترین قوم مہیا کر سکیں۔''(۵)

اس نثر پارہ سے پتہ چلتا ہے کہ اقبال عورتوں کے لیے ایسا نصابِ تعلیم چاہتے ہیں جو عورتوں میں اعلیٰ کردار اور بلند اخلاق پیدا کر سکے اور عورتوں کو صحیح اسلامی اصولوں پر کاربند رہنے کی تربیت کر سکے۔مصنفہ لکھتی ہیں:

''اسلامی دور حکومت میں عورتوں کو مذہبی تعلیم دی جاتی تھی اور وہ ان تمام علوم پر عبور حاصل کرتی تھیں لیکن اب مغربی نظام تعلیم کے تحت جو نصاب عورتوں کے لیے مرتب کیا جاتا ہے اس میں عشق و عاشقی اور عشق و محبت کے جذبات ابھارنے کے بغیر کچھ بھی نہیں ملتا،شیکسپیئر کے عشقیہ ڈراموں کو خاص اہمیت دی جاتی ہے۔علامہ اقبال اس نصابِ تعلیم کے سخت مخالفت تھے۔وہ ایسا نصاب تعلیم چاہتے تھے جو عورتوں کی روحانی ترقی کا باعث ہو اور جس پر عمل پیرا ہو کر مائیں قوم کے لیے نامور افراد پیدا کر سکیں۔''(۶)

علامہ اقبال مرد اور عورت کے یکساں نصاب کے حامی نہ تھے بلکہ آپ عورتوں کے لیے مخصوص نصابِ تعلیم مقرر کرنے کے بڑے خواہش مند تھے۔۱۹۳۴ء میں انجمن حمایت اسلام کے جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے علامہ صاحب نے فرمایا۔محمد ارشد کے مطابق:

''مسلمان عورتیں جو مسلمان قوم کی تعمیر اور تشکیل میں اہم کردار ادا کرتی ہیں ان کا نصاب تعلیم

الگ ہونا چاہیے اور دوسرا جو آپ کی فوری توجہ کامحتاج ہے وہ لڑکیوں کی تعلیم ہے۔ مسلمانوں کا متوسط طبقہ اب کافی بیدار ہو چکا ہے اور اس بات کا مطالبہ کر رہا ہے کہ ان کی اولاد کی صحیح اسلامی اصولوں کے مطابق تعلیم کے لیے اپنا نصاب تجویز کرے اور مجوزہ نصاب کے مطابق ان کا سالانہ امتحان لے کر خود ہی سندات تقسیم کرے۔''(۷)

اس ضمن میں محمد جلیل نقوی کے الفاظ بھی خصوصی اہمیت کے حامل ہیں، بیان کرتے ہیں:

''علامہ کے نزدیک عورتوں کا نصابِ تعلیم ایسا ہونا چاہیے جو عورت کو اس کے فرائض اور اس کی صلاحیتوں سے آگاہ کرے اور اس کی بنیاد دین کے عالم گیر اصولوں پر ہو صرف دنیاوی تعلیم اور اسی قسم کی تعلیم جو عورت کو نام نہاد آزادی کی جانب راغب کرتی ہے بھیانک نتائج کی حامل ہوگی۔ اس بابت علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

تہذیب فرنگی ہے اگر برگ موت
ہے حضرت انساں کے لیے اس کا ثمر موت
جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اسی علم کو ارباب نظر موت
بیگانہ رہے دیں سے اگر مدرسۂ زن
ہے عشق و محبت کے لیے علم و ہنر موت(۸)

پنجاب یونیورسٹی آئی ای آر کے معروف محقق مہر سعید اختر نے تعلیم نسواں کے نصاب پر اپنا تجزیہ پیش کیا ہے:

''اقبال کے نزدیک عورتیں مذہبی تعلیم سے فارغ ہو چکیں تو ان کو اسلامی تاریخ علم تدبیر، خانہ داری، علم اصول صحت پڑھایا جائے اس سے ان کی دماغی قابلیتیں اس حد تک نشو ونما پائیں گی کہ وہ اپنے شوہروں سے تبادلۂ خیالات کر سکیں گی۔۔۔۔اور وہ تمام مضامین جو عورت کی نسوانیت کی نفی کریں یا اسلام کی حلقہ بگوشی سے انہیں آزاد کرنے والے ہوں وہ نصاب سے خارج کر دیے جائیں۔''(۹)

اقبال نے مسلم خواتین کے لیے یہ واضح کیا ہے کہ وہ اسلامی حدود کے اندر رہ کر تعلیم حاصل کریں اس بابت محمد ریاض نے پیغام اقبال کو یوں نقل کیا ہے:

''اپنی قوم کی خاص نوعیت، اسلام کی تعلیم اور عالم نسواں کے متعلق علم الاعضاء اور علم الحیات کے انکشافات کو مدِ نظر رکھنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتے کہ مسلمان عورت کو اسلامی جماعت میں اس حد تک رہنا چاہیے جو اسلام نے ان کے لیے مقرر کر دی ہے اور جو حد مقرر کی گئی ہے اس کے مطابق ہی عورت کا نصاب تعلیم ہونا چاہیے۔''(۱۰)

علامہ اقبال نے عورتوں کی تعلیم اور نصاب تعلیم پر جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ واقعی علامہ صاحب کے زریں خیالات ہیں اگر ان خیالات پر عمل پیرا ہو کر آج بھی عورتوں کو نصاب تعلیم مرتب اور نافذ کیا جائے تو یقیناً اس تعلیم سے عورتوں

کو بہت زیادہ فائدہ پہنچ سکتا ہے۔آپ ایسا نصاب تعلیم چاہتے تھے جس کی ابتداءاٹھیٹھ مذہبی تعلیم سے ہو اس حقیقت کی ترجمانی موصوف مصنف کے مطابق:

''ہماری ملت کا شیرازہ اس وقت تک بندھا رہ سکتا ہے جب تک مذہب اسلام اور تہذیب اسلام کو ہم پر قابو حاصل ہے چوں کہ عورت کے دل و دماغ کو مذہبی تخیل سے خاص نسبت ہے لہٰذا ضروری ہے کہ عورتوں کو ابتداء میں ٹھیٹھ مذہبی تعلیم دی جائے۔''(۱۱)

تعلیماتِ اقبال کی روشنی میں یہ بات مسلّم ہے اگر عورت کو ابتدا میں ٹھیٹھ مذہبی تعلیم دی جائے تو یہ اسلامی افکار و احکام کی روشنی میں نئی نسل کی آبیاری کر سکے گی۔اسی تصور کی وضاحت کے لیے ظفر اقبال محسن نے علامہ اقبال کی جامع ترین رائے کو اس طرح نقل کیا ہے:

''ایک قوم کی حیثیت سے ہمارے استحکام کا انحصار مذہبی اصولوں کو مضبوطی سے پکڑے رہنے پر ہے جس لمحہ یہ گرفت ڈھیلی پڑ جائے گی ہم کہیں کے بھی نہیں رہیں گے شاید ہمارا حشر یہودیوں جیسا ہو تو پھر اس گرفت کو ہم کیسے مضبوط و مستحکم کر سکتے ہیں کسی قوم میں مذہب کا محافظ کون ہوتا ہے عورت اور صرف عورت۔اس لیے مسلمان عورت کے لیے ایسے نصاب کا انتخاب کیا جائے جس میں دینی رنگ غالب ہو۔میں مطلقاً آزاد طریق کا قائل نہیں ہوں۔ دیگر تمام امور کی طرح طریقہ تعلیم کا تعین بھی ایک قوم کی ضروریات کے تحت ہونا چاہیے۔ ہمارے مقصد کے لیے مسلمان لڑکیوں کی دینی تعلیم کافی ہے۔''(۱۲)

اقبال اور پردہ

سفر مدراس میں چند خواتین نے علامہ اقبال سے سوال کیا کہ پردے کی تنسیخ کے متعلق ان کے احساسات کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا میں اس معاملے کے متعلق تحقیقی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا کیوں کہ میں نے فقہ اسلامی کے اس مسئلے کی تفتیش نہیں کی۔ آپ نے کہا مجھے قانونِ قدرت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ زندگی کے ذرائع کو پوشیدہ رکھنے کا عادی ہے۔اس ضمن میں ''ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر'' کے مقالے میں علامہ صاحب فرماتے ہیں۔بمطابق نسرین اختر:

''کسی اسلامی محلے میں جا نکلو ایک تنگ و تاریک کوچے پر تمہاری نظر پڑے گی جس کے وحشت انگیز سکوت کے طلسم کو رہ رہ کر یا تو لاغر و نیم برہنہ بچوں کی چیخ و پکار یا کسی پردہ نشین بڑھیا کی لجاجت آمیز صدا توڑتی ہوگی جس کی سوکھی اور مرجھائی ہوئی انگلیاں برقع میں نکل کر خیرات کے لیے پھیلی ہوئی ہوں گی یہ تو گلی کی حالت تھی۔الم زدہ گھروں کے اندر جا کر دیکھو تو سیکڑوں مرد اور عورتیں ایسی پاؤ گے جنہوں نے کبھی اچھے دن دیکھے تھے لیکن آج فاقہ کر رہے ہیں۔کئی دن تک اناج کا ایک دانہ تک ان کے منہ میں اڑ کر بھی نہیں پہنچا لیکن غیرت اور خودداری اجازت نہیں دیتی کہ خیرات کے لیے کسی کے آگے ہاتھ پھیلائیں۔ہمارے نوجوان جو تمدن کے مصلح بنے ہوئے ہیں وہ پردے کی رسم کو ہماری قوم کے قویٰ کے روز افزوں انحطاط کا باعث قرار دینے کے عادی ہیں شاید یہ نہیں جانتے کہ اس انحطاط کا اصل

ذمہ دار پردہ نہیں بلکہ یہ جاں فرسا افلاس ہے جو ہماری قوم کے ادنیٰ و اعلیٰ کو کھائے جا رہا ہے۔'' (۱۳)

اقبال چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں قرون اولیٰ کا مثالی معاشرہ ہو جس میں مسلمان اسلام کے ضابطہ اخلاق کے تحت صحیح مسلمان تھے ان کے دلوں کو نور اسلام کی شعاعوں نے منور اور صاف و پاکیزہ بنا دیا تھا۔ ان کے ارادے نیک تھے۔ ان کی زندگیاں خواہشاتِ نفسانی کے تابع نہیں تھیں۔ ان کا ہر فعل خدائی حکم کے تابع تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس دور میں مسلمان عورتوں کو اس طرح پردے میں لپیٹ کر نہیں رکھا گیا تھا جیسا کہ آج کل پردے کا رواج ہے اقبال چاہتے ہیں کہ مسلمان کا دل اسلام کے اس سانچے میں ڈھل جائے جیسا کہ طوافِ کعبہ کے وقت عورت اور مرد اکٹھے طواف کرتے ہیں۔ رسوم حج ادا کرتے ہیں مگر انہیں اپنے دلوں پر، اپنے ارادوں پر، اپنی خواہشات پر مکمل کنٹرول ہوتا ہے۔ آپ مسلمانوں کی اسی اخلاقی بلندی کی موجودگی میں مسلمان عورتیں بھی بلا خوف وخطر زندگی بسر کر سکیں۔ خواتین کے پردے کے متعلق ایک اور اقتباس ملاحظہ ہو جس میں علامہ صاحب نے اپنے موقف کو خوب صورت انداز میں بیان کیا ہے:

''عورتوں کے حقوق کے ضمن میں پردے کا سوال بھی غور طلب ہے کیوں کہ کچھ عرصے سے اس پر بڑی بحث ہو رہی ہے بعض مسلمان جو مغربی تہذیب سے بہت زیادہ متاثر ہو گئے ہیں اس دستور کے مخالف ہیں۔ اور وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اسلام کے ابتدائی زمانے میں اور حال کے دیر اسلامی ممالک میں پردے کی یہ صورت نہیں تھی جو آج کل ہندوستان میں ہے لیکن اگر غور کر کے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں پردے پر سخت زور دیا جانا اخلاقی وجوہ پر مبنی تھا۔ چونکہ اقوام ہندوستان نے اخلاقی لحاظ سے کچھ بہت ترقی نہیں کی اس واسطے اس دستور کو یک قلم موقوف کر دینا میری رائے میں قوم کے لیے نہایت مضر ہوگا۔ ہاں اگر قوم کی اخلاقی حالت ایسی ہو جائے جیسی کہ ابتدائے زمانہ اسلام میں تھی تو اس کے زور کو بہت کم کیا جا سکتا ہے اور قوم کی عورتوں کو آزادی سے افراد کے ساتھ تبادلہ خیالات کرنے کی عام اجازت ہو سکتی ہے۔'' (۱۴)

اس لیے یہ رائے متعین ہوتی نظر آتی ہے کہ عورتوں کو آزادی کے ساتھ افراد کے ساتھ تبادلہ خیالات کرنے کا موقع اس وقت فراہم ہو سکتا ہے جب کہ قوم کے افراد صالح، نیک اور بلند اخلاق ہوں اور وہ عورت کے تقدس کا پاس رکھ سکیں۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب قوم کے افراد خالص اسلامی رنگ میں رنگے جائیں۔ عورت کے پردہ کے بارے میں یہ اقبال کا فیصلہ (Policy Statement) کی حیثیت رکھتا ہے۔ علامہ اقبال اپنی تصنیف ارمغانِ حجاز میں پردے پر ایک نکتہ رس اور نادر تشبیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ضمیر عصر حاضر بے نقاب است
کشادش در نمود رنگ و آب است
جہاں تابی زنور حق بیاموز
کہ او با صد تجلی در حجاب است (۱۵)

ان اشعار میں علامہ صاحب مسلمان عورت کو پردے کی قدرتی اہمیت اور نسوانی وقار کا احساس دلاتے ہوئے کہتے ہیں کہ موجودہ دور بالکل عریاں اور بے نقاب ہو چکا ہے وہ آرائش و زیبائش اور ظاہری چمک دمک میں ہی غرق نمود ہے۔ اے مسلمان عورت تم نے اس دنیا کو اپنے نور سے اور اپنی ضیا سے منور کرنا ہے کیوں کہ تو باعث آبادیٔ کائنات ہو۔ لہٰذا تمھیں چاہیے کہ تو اس دنیا کو تابناک اور چمکدار بنانے کے لیے نورِ حق سے وہ راز سیکھ جس راز کے ذریعے وہ سینکڑوں تجلیات رکھتے ہوئے بھی پردوں میں پوشیدہ ہے۔

قدرت کا ایک عجیب راز ہے کہ اس نے ہر قیمتی جوہر کو ہزاروں پردوں میں پوشیدہ کر رکھا ہے۔ یہی پوشیدگی دراصل اس قیمتی جوہر کی قدر و قیمت کو ظاہر کرتی ہے ایسے پوشیدہ جوہروں کی تلاش میں لوگ اسی لیے مارے مارے پھرتے ہیں۔ برعکس اس کے جو چیز عام دستیاب ہو سکے جسے آنکھیں وقت بے وقت دیکھ سکیں۔ اس چیز کی قدر و قیمت لوگوں کے دلوں میں کم ہوتی ہے۔ شمع محفل بننے والی عورت اپنی وقعت خود بخود کھو دیتی ہے۔ علامہ اقبال کے اس مفہوم کو ذیل کے اشعار میں نسرین اختر نے کچھ اس طرح نقل کیا ہے:

اگر پندے ز درویشی پذیری
ہزار امت بمیرد تو نہ میری
بتولے باش وپنہاں شوازیں عصر
کہ در آغوش شبیری بگیری(۱۶)

یعنی اے عورت! اگر تو مجھ درویش کی نصیحت پر عمل کرے تو یاد رکھ ہزاروں امتیں فنا ہو جائیں گی لیکن تو زندہ و تابندہ رہے گی تو کبھی بھی نہ مر سکے گی۔ میری تجھے یہ نصیحت ہے کہ تو فاطمہ بنت رسول اللہﷺ کا نمونۂ زندگی اختیار کر۔ بنتِ رسولﷺ کی تقلید کر اور اس دور کے اثرات سے اپنے آپ کو پوشیدہ رکھ اس زمانے کے طور طریقوں کی تقلید نہ کرتا کہ تو بھی شبیرؓ جیسے فرزند کو اپنی آغوش کی زینت بنا سکے۔ ''ضربِ کلیم'' میں عورت کو شمع محفل نہ بننے اور پردے کی اہمیت واضح کرتے ہوئے علامہ اقبال یوں گویا ہوئے ہیں:

بہت رنگ بدلے سپہرِ بریں نے
خدایا یہ دنیا جہاں تھی وہیں ہے
تفاوت نہ دیکھا زن و شوہر میں میں نے
وہ خلوت نشیں ہے یہ خلوت نشیں ہے
ابھی تک ہے پردے میں اولادِ آدم
کسی کی خودی آشکارا نہیں ہے(۱۷)

آسماں نے کئی رنگ بدلے اور اس میں سینکڑوں تبدیلیاں پیدا ہوئیں مگر اس دنیا میں ذرہ برابر بھی تبدیلی نہیں آئی۔ یہ جہاں تھی وہیں کی وہیں ہے۔ یہی مثال آج ے دور میں بیوی اور شوہر کی ہے کہ اگر بیوی پردہ نشیں ہے تو خاوند بھی پردہ نشیں بن چکا ہے گویا حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ابھی تک پردے میں ہے کیوں کہ کسی کی خودی نمایاں نہیں ہوئی۔

درج بالا پیراگراف کا لبِ لباب یہ ہے کہ مغرب کی اندھی تقلید میں مسلمان عورتیں بھی اسلامی حدود و قیو سے آزاد

ہونے کی جدو جہد کر رہی ہیں۔ پردے کو بالائے طاق رکھ کر گھر کی چار دیواری سے نکل کر سوشل ہونے کی متمنی ہیں۔ اقبال عورتوں کی اس آزادی کی جوان کے وقار کو ٹھیس پہنچائے مخالفت کرتے ہیں۔ وہ عورتوں کو اسلامی تہذیب کا ایک مکمل نمونہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ علامہ اقبال عورت کو شمع محفل نہیں بلکہ شمع خانہ دیکھنا چاہتے تھے اس ضمن میں ''ضرب کلیم'' میں علامہ اقبال نے ''خلوت'' کے عنوان کے تحت ایک نظم لکھی ہے۔ ملاحظہ ہو:

رسوا کی اس دور کو جلوت کی ہوس نے
روشن ہے نگہ آئینہ دل ہے مکدر
بڑھ جاتا ہے جب ذوقِ نظر اپنی حدوں سے
ہو جاتے ہیں افکار پراگندہ و ابتر
آغوشِ صدف جس کے نصیبوں میں نہیں ہے
وہ قطرۂ نیساں کبھی بنتا نہیں گوہر
خلوت میں خودی ہوتی ہے خود گیر لیکن
خلوت نہیں اب دیرو حرم میں بھی میسر!(۱۸)

کہتے ہیں اس زمانے میں عورتوں نے اپنے آپ کو نمایاں اور بے پردہ ہونے کی وجہ سے رسوا کر دیا۔ دیکھنے میں ان کی آنکھیں تو بے شک روشن ہیں مگر ان کے دل کا آئینہ میلا ہو چکا ہے یعنی ظاہری طور پر تو یہ اپنے آپ کو سوشل کہلاتی ہیں مگر درحقیقت ان کا باطن تاریکی میں ڈوبا ہوا ہے۔ نظارے کا شوق جب اپنی حدوں سے تجاوز کر بیٹھتا ہے تو دل کے خیالات بھی پاکیزہ نہیں رہتے بل کہ وہ پراگندہ (منتشر) اور خراب ہو جاتے ہیں۔

ابرِ باراں کا وہ قطرہ کبھی بھی موتی نہیں بن سکتا جس ے نصیبوں میں صدف کی گود نصیب نہ ہو یعنی جس طرح ابرِ بابار کا قطرہ صدف کی خلوت میں موتی بنتا ہے اسی طرح عورت اگر خلوت کی حدود میں رہے تو اس کا نسوانی وقار بحال رہے گا۔ ورنہ جلوت میں وہ اپنی تمام رعنائیاں اور قدر و قیمت کھو دے گی اور وہ اپنا بلند مقام کبھی بھی حاصل نہ کر سکے گی۔

عورت کی خودی دراصل تنہائی اور خلوت میں ہی اپنے کمال کو پہنچتی ہے اور اسی طرح وہ اپنی حقیقت کو پہچان بھی سکتی ہے اور حقیقت تک پہنچ بھی سکتی ہے مگر افسوس آج کے دور میں دیر و حرم میں یعنی مسلمان اور غیر مسلم خواتین سب نے منظرِ عام پر آنے کے جنون میں اپنی حقیقت کو بھلا دیا ہے۔

''قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ جب کسی موقع پر مرد اور عورت یکجا ہوں یا ان کا ایک دوسرے سے آمنا سامنا ہو تو وہ ایک دوسرے کی طرف نہ دیکھیں۔''

علامہ اقبال بھی پردے کے ضمن میں یہی سوال اٹھاتے ہیں کہ:

''عورتوں کو مردوں سے آزادنہ میل جول نہیں رکھنا چاہیے اور نہ ہی عورتوں کو غیر محرم مردوں کو دیکھنا چاہیے۔''

تعلیماتِ اقبال کے خلاف پردے کے ضمن میں بہت پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے کہ قبال کا پردہ کے تصور بارے بعض نقادوں نے تنقید بھی کی ہے۔ افکارِ اقبال کی روشنی میں محمد جلیل نقوی نے اقبال کے پردہ کے متعلق مختلف گوشوں کا تجزیہ درج ذیل

الفاظ سے کیا ہے:

''اقبال عورت کے لیے پردہ کے حامی ہیں اور بے پردگی کے خلاف ہیں۔ علامہ صاحب کے خیال میں پردہ میں رہ کر عورت کو اپنی ذات کے امکانات کو سمجھنے کا موقع ملتا ہے۔ گھر کے ماحول میں وہ سماجی خرابیوں سے محفوظ رہ کر خاندان کی تعمیر کا فرض ادا کرتی ہے اور سب سے بڑھ کر وہ یکسوئی کے ساتھ آئندہ نسل کی تربیت کا اہم فریضہ انجام دیتی ہے۔ برخلاف اس کے جب وہ پردے سے باہر آتی ہے۔ زیب وزینت کا شکار ہوتی ہے تو اس کے وقار میں کمی آتی ہے۔'' (۱۹)

اسلام میں پردہ کا معیار مروجہ برقعہ پر ہرگز نہیں ہے اس برقعہ کے بارے میں تو کسی شاعر نے بڑا اچھا شعر کہا ہے:

بے حجابی یہ کہ ہر شے سے ہے جلوہ آشکار
اس پہ پردہ یہ کہ صورت آج تک نادید ہے

بل کہ اصل پردہ بے حجابی اور نمود ونمائش سے پرہیز اور شرم وحیاء کے مکمل احساس کا نام ہے اور یہ پردہ عورت کے لیے اپنے دائرہ کار میں کسی سرگرمی رکاوٹ نہیں بنتا۔ اقبال کی نظر میں اصل بات یہ ہے آدمی کی شخصیت اور حقیقت ذات پر پردہ نہ پڑا ہو۔ المختصر اقبال عورت کے شرعی پردہ کے حق میں ہیں جس سے وہ زندگی کی ہر سرگرمی میں حصہ لے سکتی ہے۔ اسی بابت اقبال کے ایک شعر کی روشنی میں فائزہ تسکین بتول نے آخر پر بڑا خوب صورت تبصرہ رقم کیا ہے کہ:

''اللہ تعالیٰ خالقِ کائنات ہے۔ حیُّ قیوم ہے۔ لافانی ہے۔ یہ جہاں اس کے نور سے روشن ہوتا ہے لیکن ہزار جلوؤں کے باوجود پردے میں ہے:

جہاں تابی ز نور حق بیاموز
کہ او باصد تجلی در حجاب است

جہان کو روشن کرنے کا کام اللہ سے سیکھ کہ وہ سینکڑوں جلوؤں کے ساتھ پردے میں ہے۔'' (۲۰)

اس پیراگراف کا مرکزی خیال یہ ہے کہ رب العزت کی ذات پردے میں ہے اور وہ ذات پردے کو پسند کرتی ہے لہٰذا مسلمان عورتیں رب تعالیٰ کی اس صفت پر عمل کر کے اپنی زندگی میں سنہری کامیابیوں سے ہمکنار ہو سکتی ہیں۔

علامہ اقبال مغربی تعلیم کی اس لیے مخالفت کرتے ہیں کہ یہ عورت کو فرض اولیں ''امومت'' سے غافل دیکھنا چاہتی ہے۔ اس ضمن میں تعلیمات اقبال کی روشنی میں محمد جلیل نقوی رقم طراز ہیں:

''علامہ عورت کی مغربی تعلیم کی اس لیے مخالفت کرتے ہیں کہ اس سے ماں کی ممتا کمزور پڑ جاتی ہے اور عورت اپنی فطری خصوصیات سے محروم ہو جاتی ہے۔ جب کہ اقبال ''امومت'' کو رحمت سمجھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس کو نبوت سے نسبت خاص ہے۔ لہٰذا عورت کو چاہیے کہ فرائض امومت کی ادائیگی میں اپنی صلاحیتیں صرف کر دے۔ اقبال یہاں یورپ کے حکیموں سے طنزیہ لہجے میں سوال کرتے نظر آتے ہیں:

کوئی پوچھے حکیم یورپ سے
ہندو یونان میں جس کے حلقہ بگوش
کیا یہی ہے معاشرت کا کمال
مرد بیکار وزن تہی آغوش'' (۲۱)

اس امر کی وضاحت فروغ احمد نے حسبِ ذیل الفاظ سے کی ہے:

''اقبال کے نزدیک تعلیم نسواں کی اصل غایت اور اساسی اہمیت عورت کے منصب مادری ہی کو حاصل ہے۔ اس لیے جہاں وہ تعمیر ملت کے لیے فرد کو ایثار نفس (بے خودی) کی دعوت دیتے ہیں وہاں ''امومت'' یعنی عورت کی مادری عظمت کو تسلیم کرنے کی بطور خاص تلقین کرتے ہیں۔ مثنوی ''رموز بے خودی'' کے ایک مخصوص باب کا عنوان یہ ہے:

''درمعنی ایں کہ بقائے نوع از امومت است وحفظ واحترام امومت اسلام است'' یعنی یہ کہ بنی نوع انسان کی بقاء منصب مادری سے وابستہ ہے۔ اور منصب مادری کا تحفظ واحترام عین اسلام ہے۔'' (۲۲)

علامہ صاحب جب دیکھتے ہیں کہ علوم جاہلیت جدیدہ نے عورت کو اس کے جوہر ذاتی اور امتیازی صفات سے محروم کر دیا ہے تو علامہ تڑپ اٹھتے ہیں۔ وسیم احمد فاروقی ندوی کے مطابق:

''عورت کے سینے مامتا کے جذبوں کا سرد پڑ جانا پوری انسانیت کی موت ہے۔۔۔۔ یہ دراصل موت کی وادیوں کی جانب انسانیت کا سفر ہے۔ جس کے نتیجے میں انسان نہیں حیوان پیدا ہوں گے۔ درندگی کی صفات رکھنے والے ۲ دو پائے وہ چاند ستاروں کو گواہ کر کے کہتے ہیں کہ اس تنزل میں عورت کا قصور نہیں ہے بلکہ نسوانی فطرت سے ناآشنا فرنگی احمقوں کے تعمیر کردہ تمدن نے اس کو اس دلدل میں پھنسایا ہے:

تہذیب فرنگی ہے اگر مرگ امومت
ہے حضرتِ انساں کے لیے اس کا ثمر موت
جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اسی کو اربابِ نظر موت
بیگانہ رہے اگر دیں سے مدرسۂ زن
ہے عشق ومحبت کے لیے علم و ہنر موت (۲۳)

اس ضمن میں علامہ اقبال کے خیالات کو خلاصہ حمید اللہ ہاشمی نے کچھ یوں پیش کیا ہے:

''اقبال کے نزدیک عورت کا بڑا شرف اس کا فرض امومت ہے اسی صفت سے یہ تصویر کائنات میں رنگ بھرتی ہے۔ جس آگ میں جل کر کندن بنتی ہے اسی کے شعلوں سے حیات کے اسرار ورموز کھلتے ہیں۔ جو عورت تخلیق کے اس فرض سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتی وہ

قوم کے ماتھے پر ایک بدنما داغ ہے جس کا ڈھل جانا ہی بہتر ہے۔'' (۲۴)

اقبال کا مندرجہ بالا خیال آج بھی اس کی صداقت پر گواہ ہے کہ معاشرے میں عورت کا سب سے بڑا شرف اس کا فرض امومت ہے مگر افسوس! آج مغربی عورت لذت تخلیق اور اس کے فرائض ومناقب سے کنارہ کش ہو چکی ہے۔

اقبال کے نزدیک برتھ کنٹرول یا ضبطِ تولید کا طریقہ عورتوں کی صحت اور مسرت کے لیے نقصان دہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح درخت کی زینت تازہ بتازہ پھل سے ہوتی ہے اسی طرح عورت کی حقیقی مسرت اور عزت اور تروتازگی بچوں کی پیدائش سے ہوتی ہے۔ قدرت نے دنیا کو آباد رکھنے کا یہ قانون بنایا ہے کہ انسانی نسل پھلتی پھولتی رہے۔ پہلی نسلیں فنا ہوتی جائیں اور ان کی جگہ نئی نسلیں لیتی جائیں اس لحاظ سے ضبط تولید کا طریقہ ایک غیر فطری اور نظامِ کائنات کے اصول کے خلاف ہے۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال ''ضربِ کلیم'' میں فرماتے ہیں:

کوئی پوچھے حکیم یورپ سے
ہندو یونان ہیں جس کے حلقہ بگوش
کیا یہی ہے معاشرت کا کمال
مرد بے کار و زن تہی آغوش(۲۵)

مغرب کی تہذیب کے ضبطِ تولید کے عیب کو اب خود مغرب کے مفکرین بھی عیب تسلیم کرنے لگے ہیں۔ چنانچہ امریکہ کا ایک ممتاز سائنس دان اور حکیم الیکسل کارل ''انسان نامعلوم'' میں جدید تہذیب کے اس رجحان کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ بقول نسرین اختر:

''جن عورتوں کے بچے نہیں ہوتا ان کا ذہن حقیقی طور پر درست نہیں ہوتا ایسی عورتیں دوسری عورتوں کی نسبت بہت جلد پریشان اور بدحواس ہو جاتی ہیں۔۔۔۔ لہذا نسل کی بقا کے لیے تولیدگی از بس ضروری ہے۔'' (۲۶)

علامہ امومت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے اسرار و رموز میں فرماتے ہیں۔ بمطابق نسرین اختر:

''علم اللسان کی رو سے اُمت کا مصدر ''ام'' ہے اس لیے امت کا دارومدار دراصل امومت یعنی ماؤں پر ہے کیوں کہ مائیں نئی نسل کو جنم دیتی ہیں پھر ان کی تربیت کرتی ہیں اگر مائیں نہ ہوتیں تو زندگی میں روانی اور جوش وخروش کبھی نہ ہوتا۔ اور نہ کوئی امت ہوتی۔ آنحضرت ﷺ نے ماں کی حرمت اور عظمت کو مدنظر رکھ کر ہی فرمایا تھا کہ جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔۔۔۔ ایک جاہل عورت، دیہاتی عورت ہو جو پست قد بھی ہو موٹی بھی ہو شکل وصورت میں بھی کشش نہ رکھتی ہو اس لڑکی سے قوم کو ایسا فرزند مل جائے جو حق پرست ہو اور غیرت مند ہو تو یہ سمجھو اس نے قوم پر بڑا احسان کیا ہے ہماری ہستی اس کی ممتا کے آلام اور دکھ درد کا نتیجہ ہے۔ دوسری طرف خالی گود اس عورت کو دیکھ جو فیشن ایبل ہے نئی تہذیب کی دلدادہ ہونے کی وجہ سے ماں بننے کو عار سمجھتی ہے۔۔۔۔ یہ عورت ہماری ملت کے لیے ایک بدنما داغ ہے۔'' (۲۷)

یہ عورت تو دراصل ہمارے معاشرے کے لیے بدنما داغ ہے۔اس بابت تعلیمات اقبال کی روشنی میں محمد جلیل نقوی نے کچھ یوں تبصرہ کیا ہے:

> ''جس قوم کی عورتیں فرائض امومت ادا کرنے سے کتراتی ہیں اس کا معاشرتی نظام درہم برہم ہوجاتا ہے۔اس کا عائلی نظام انتشار کا شکار ہوجاتا ہے۔افراد خاندان کے درمیان رشتہ عورت کمزور پڑ جاتا ہے۔اور اخلاقی خوبیاں دم توڑ دیتی ہیں مغربی تمدن کی اقدار عالیہ کو اسی لیے زوال آ گیا ہے کہ وہاں کی عورت آزادی کے نام پر جذبۂ امومت سے بھی محروم ہوتی چلی جا رہی ہے۔''(۲۸)

اقبال کے نزدیک عورت کا سب سے بڑا شرف اس کا فرض امومت ہے اس صفت سے یہ تصور کائنات میں رنگ بھر سکتی ہے جس آگ میں جل کر کندن بنتی ہے اسی کے شعلوں سے اسرار و رموز کھلتے ہیں۔جو عورت تخلیق کے اس فرض سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتیں وہ قوم مسلم کے ماتھے پر بدنما داغ ہے اس کا ڈھل جانا ہی بہتر ہے۔

الغرض اقبال یہ چاہتے تھے کہ مسلمان خواتین مغربی تہذیب کے فریب میں نہ آئیں۔وہ اپنی زندگی کو اسلامی طرز معاشرت کا مکمل نمونہ بنائیں۔ان کا فرض منصبی فیکٹریوں اور کارخانوں کی پیداوار میں اضافہ کرنا نہیں بلکہ خالد، طارق، اور قاسم و محمود جیسے دلاروں کو جنم دینا ہے۔جوانوں کو زیور تعلیم و تربیت سے آراستہ کرنا ہے۔

عورتوں کے لیے مغربی تعلیم/آزادئ نسواں کی مخالفت

علامہ اقبال جدید مغربی تعلیم کے سخت مخالف تھے۔کیوں کہ یہ طریقہ تعلیم سیکولر ہے اور مسلمان لڑکیوں کے لیے بہتر نہیں ہے اس سلسلے میں ڈاکٹر علامہ محمد اقبال نے ''ضربِ کلیم'' کے ایک قطعہ میں یوں لب کشائی کی ہے:

تہذیب فرنگی ہے اگر مرگ امومت
ہے حضرتِ انساں کے لیے اس کا ثمر موت
جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اسی کو اربابِ نظر موت
بیگانہ رہے اگر دیں سے مدرسۂ زن
ہے عشق و محبت کے لیے علم و ہنر موت(۲۹)

ان اشعار کا مفہوم سے مترشح ہے کہ اقبال لڑکیوں کے لیے مغربی طرز تعلیم کے ہرگز قائل نہ تھے۔آپ کے نزدیک کوئی ایسا علم سودمند نہیں جو عورتوں کی فطری و معاشرتی ذمہ داریوں سے روکے۔اس لیے عورتوں کو ایسی تعلیم دینی چاہیے جو ہماری مذہبی اور معاشرتی روایات کی حامل ہو۔

علامہ اقبال عورتوں کے لیے زیادہ آزادی پسند نہیں کرتے مغربی تعلیم عورتوں کو جس طرح آزادی دلاتی ہے۔اقبال اسے ''مادر پدر آزادی'' قرار دیتے ہیں۔اس حقیقت کو خود ڈاکٹر علامہ محمد اقبال نے کچھ اس طرح بیان کیا ہے:

اس بحث کا کچھ فیصلہ میں کر نہیں سکتا
گو خوب سمجھتا ہوں کہ یہ زہر ہے، وہ تند

کیا فائدہ کچھ کہہ کے بنوں اور بھی معتوب
پہلے ہی خفا مجھ سے ہیں تہذیب کے فرزند
اس راز کو عورت کی بصیرت کرے فاش
مجبور ہیں، معذور ہیں، مردانِ خرد مند
کیا چیز ہے آرائش و قیمت میں زیادہ
آزادئ نسواں کہ زمرد کا گلو بند(۳۰)

علامہ اقبال کے نزدیک مغربی تعلیم کی مخالفت کی اصل وجہ یہ تھی کہ اس نے مسلم معاشرے کی خاندانی فضا کو مکدر کر دیا تھا اس سلسلے میں غلام عابد خان نے فکرِ اقبال کی روشنی میں اپنا مختصر تبصرہ یوں پیش کیا ہے:

''اقبال نے واضح طور پر لڑکیوں کی ایسی تعلیم کی پُر زور مخالفت کی ہے جو مسلم معاشرے کی خاندانی فضا کو مکدر کرے اور بلا شبہ یہ مغربی طرز تعلیم کی ہی مخالفت تھی۔ ذیل کے اشعار میں علامہ صاحب اپنا نقطۂ ذرا کھول کر پیش کرتے نظر آتے ہیں:

لڑکیاں ڈھونڈ رہی ہیں انگریزی
ڈھونڈ لی قوم نے فلاح کی راہ
روش مغربی ہے مدِّ نظر
وضع مشرقی کو جانتے ہیں گناہ
یہ ڈراما دکھائے گی کیا سین
پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ(۳۱)

علامہ اقبال مغربی طرز تعلیم اور مغربی طریقہ تعلیم مسلمان خواتین کے لیے اخلاقی تباہی کا باعث سمجھتے تھے۔ چنانچہ اپنی بیاض میں ''نوجوان مبلغ اور مسلم خاتون'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔ نسرین اختر کی رپورٹ کے مطابق:

''معاشرتی اصلاح کے نوجوان مبلغ یہ سمجھتے ہیں کہ مغربی تعلیم کے چند جرعے مسلم خاتون کے تن مردہ میں نئی جان ڈال دیں گے او وہ اپنی رائے کہنہ کو پارہ پارہ کر دے گی۔ شاید یہ بات درست ہو مگر مجھے اندیشہ ہے کہ اپنے آپ کو برہنہ پا کر اسے ایک مرتبہ پھر اپنا جسم ان نوجوان مبلغوں کی نگاہوں سے چھپانا پڑے گا۔''(۳۲)

اس تحریر سے صاف عیاں ہوتا ہے کہ اقبال ان لوگوں کی رائے اور خیال کو صحیح نہیں سمجھتے جو عورتوں کو مغربی خواتین کی طرح مادر پدر آزاد کرنے کے حق میں ہیں۔ اقبال کو امید ہے کہ اگر عورتوں نے ان مغرب زدہ مبلغین کے کہنے پر مغرب کی تقلید کر لی تو ایک وقت ضرور ایسا بھی آئے گا کہ ہماری یہ مسلمان عورتیں مغرب کے طرز زندگی کو اپنے لیے ننگ و عار سمجھ کر دوبارہ اسلام کے اصولوں کو اپنا کر اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کر لیں گی۔ اقبال کے نزدیک جس قوم نے عورت کو زیادہ آزادی دی وہ کبھی نہ کبھی اپنی غلطی پر ضرور پشیمان ہوئی ہے۔

فروغ احمد نے اقبال کے درج ذیل اشعار نقل کیے ہیں جو موضوع کو قریب سے چھوتے ہیں:

ہوشیار راز دستبرد روزگار
گیر فرزنداں خود را درکنار

یعنی لوگو! زمانے کے برے اثرات سے ہوشیار رہو اپنے بیٹوں کو اپنی گودوں میں سنبھالے رکھو۔

بہر اے اختر ک ایں دلبری ہا
مسلماں را نہ زیبد کافری ہا
منہ دل بر جمال غازہ پرور
بیاموز از نگہ غارت گری ہا

یعنی اے پیاری بیٹی! یہ ناز و ادا چھوڑ دو۔ مسلمانوں کے لیے کافرانہ حرکتیں زیب نہیں دیتیں۔ اس جمال سے دلبستگی کے کیا معنی جو غازہ کا مرہون منت ہو۔ نگاہ غارت گر کے ہوتے اور کیا چاہیے۔(۳۳)

مندرجہ ذیل سطور میں آخری مصرعہ خصوصی توجہ کا طالب ہے، سوال یہ ہے کہ کیا آخری مصرعے میں اقبال نے نظر بازی کی تلقین کی ہے؟ شاعرانہ انداز بیان کا مطلب نقطہ یہ ہے کہ آرائش و زیبائش پر اسراف، اپنی بساط سے باہر فضول خرچی اسلام کے منافی ہے۔ یہ شعر بھی تو اقبال کا ہی ہے:

الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا
غواص کو مطلب ہے صدف سے کہ گہر سے

اس بابت فائزہ تسکین بتول نے اقبال کے بہت خوب صورت الفاظ نقل کیے ہیں۔ ملاحظہ ہوں:

> ''اس شوخ چشم کی آزادی فتنہ پرور ہے۔ حیاء سے نا آشنا۔ ہمارے باغ میں ایسے پھول کا نہ اُگنا اچھا ہے۔ اور قوم کے دامن سے اس کا داغ ڈھل جائے تو بہتر ہے۔''(۳۴)

شرم و حیاء عورت میں جرأت و ہمت اور بلندی کردار کا باعث ہے۔ آپ ﷺ کا فرمانِ خوشبو دار ہے ''الحیاء من الایمان'' اگر اسلامی تاریخ کا اس ضمن میں مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اُن پاکدامن عورتوں نے آزادی نسواں کے زمرے میں نہیں بلکہ شرعی پردہ میں رہ کر وہ بے نظیر و بے مثال شجاعت کی داستان رقم کی ہے جسے عصر حاضر کی عورت کے لیے بطور نمونہ پیش کیا جا سکتا ہے مثلاً جنگِ یرموک میں حضرت خولہؓ نے بعض دوسری خواتین کے ساتھ خیموں کی چوبیں اکھاڑ کر دشمن کا مقابلہ کیا۔ جنگ خندق میں حضرت صفیہ نے ایک ہی ضرب سے ایک یہودی کو جہنم رسید کیا جو خندق عبور کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جنگ حنین میں ام سلیمؓ کے ہاتھ میں خنجر تھا آپ ﷺ نے دریافت فرمایا تو کہنے لگی کوئی مشرک قریب آیا تو اس کا پیٹ پھاڑ دوں گی۔ اس کے برعکس عصرِ حاضر کی عورت آزادیٔ نسواں کی رٹ تو لگائے ہوئے ہے مگر عملی دنیا میں اس کا جذبۂ اخلاص عنقا ہے۔ فرنگی معاشرت ہی جسم ہے اس کے ظاہر و باطن میں بڑا فرق ہے۔ حمید اللہ ہاشمی، ڈاکٹر علامہ محمد اقبال کی رائے کو نقل کرتے ہیں:

> ''مغربی دنیا کی طرح جہاں نفسا نفسی کا ہنگامہ گرم ہے اور غیر معتدل مسابقت نے ایک خاص قسم کی اقتصادی حالت پیدا کر دی ہے۔ عورتوں کا آزاد کر دیا جانا ایک ایسا تجربہ ہے جو میری دانست میں بجائے کامیاب ہونے کے الٹا نقصان رساں ثابت ہوگا۔ اور نظام معاشرت میں اس سے بے حد پیچیدگیاں واقع ہو جائیں گی۔ عورتوں کی اعلیٰ تعلیم سے بھی جس حد تک

کہ افراد قوم کی شرح ولادت کا تعلق ہے جو نتائج مرتب ہوں گے وہ بھی غالباً پسندیدہ نہ ہوں گے۔ مغربی دنیا میں جب عورتوں نے گھر کی چار دیواری سے باہر نکل کر کسبِ معاش کی جدو جہد میں مرد کا ساتھ دینا شروع کیا تو خیال کیا جاتا تھا کہ ان کی یہ اقتصادی حریت دولت کی پیداوار میں معتد بہ اضافہ کرے لیکن تجربے نے اس خیال کی نفی کر دی اور ثابت کر دیا کہ اس خاندانی وحدت کے رشتہ کو جو بنی نوع انسان کی روحانی زندگی کا جزو ہے یہ حریت توڑ دیتی ہے۔''(۳۵)

اقبال کی یہ رائے/ یہ موقف/ یہ نقطہ نظر آج بھی اس کی صداقت پر گواہ ہے کہ مغربی دنیا میں عورت کا گھر کی چار دیواری سے باہر نکل کر کسبِ معاش کی جدو جہد میں مرد کا ساتھ دینا نظام معاشرت میں بہت سی پیچیدگی کا سبب بنا ہے جس کی علامہ صاحب نے کئی سال پہلے پشین گوئی کی تھی۔ اقبال مرد اور عورت کی مساوات کے مطلق حامی نہیں کیوں کہ یہ ظاہر ہے کہ قدرت نے ان دونوں کے تفویض جدا جدا خدمتیں کی ہیں۔ الغرض اقبال کے نزدیک عورت کا فرض منصبی فیکٹریوں اور کارخانوں کی پیداوار میں اضافہ کرنا نہیں بلکہ خالد وطارق اور قاسم ومحمود جیسے دلاوروں کو زیورِ تعلیم وتربیت سے آراستہ کرنا ہے۔ موصوف مصنف مزید فرماتے ہیں:

''اقبال فرنگی تہذیب کو مسلمانوں کی تہذیبی روایت کے لیے سم قاتل سمجھتے ہیں۔ اور عورت، جس کی گود تہذیب وتمدن کا اولین گہوارہ ہوتی ہے اس سے بچانے کی ہر ممکن فکر کرتے ہیں علامہ صاحب اس ضمن میں فرماتے ہیں:

فساد قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب
کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف!
رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید
ضمیر پاک و خیالِ بلند و ذوق لطیف(۳۶)

ان مصرعوں میں علامہ صاحب نے کسی ابہام کے بغیر صاف اور شفاف انداز میں مغربی تہذیب کی اخلاق باختگی کو بیان کر دیا ہے کہ یہ فسادِ قلب ونظر ہے روح کی پاکیزگی سے محروم ہے ذہنی پستی اور کور ذوقی سے معمور ہے لہذا اسے اپنے قلب ونظر میں رچانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

مغربی تعلیم نے ایسے منفی چلن کو جنم دیا ہے کہ عفت و پاکدامنی کی کوئی گنجائش نہیں رہی ہے اور منفی تعلقات پر اس کے بہت برے اثرات پڑے ہیں۔ اس ضمن میں تعلیمات اقبال کی روشنی میں وسیم احمد فاروقی ندوی کا تجزیہ ملاحظہ ہو:

''اقبال کی نگاہ میں ایسی آزادئ فکر جس کے نتیجے میں افراد ہر قسم کے اخلاقی بندھنوں سے آزاد ہو جائیں، درحقیقت ''ابلیس کی ایجاد'' ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یورپی دانشوروں کی بے سلیقہ فکر و تدبیر اور ناپختہ سوچ نے، آزادئ فکر وعمل کی جو تحریک اٹھائی وہ انسان کو حیوان بنانے کا حربہ ہے:

گو فکرِ خداداد سے روشن ہے زمانہ
آزادیٔ افکار ہے ابلیس کی ایجاد
آزادیٔ افکار سے ہے ان کی تباہی
رکھتے نہیں جو فکر و تدبر کا سلیقہ
ہر فکر اگر خام تو آزادیٔ افکار
انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ(۳۷)

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ آزادیٔ افکار کے اس طوفان نے انسان کو حیوان بنا کے رکھ دیا ہے عورت اور مرد کے درمیان باہمی تعلقات کے وہ مقدس اور متبرک رشتے جو انسان کے اشرف المخلوقات ہونے اور اس کے اور حیوانوں کے درمیان امتیاز کے نشان تھے سب ٹوٹ پھوٹ گئے۔ ماں بہن، بیٹی اور بیوی جیسے متبرک ناطے اس آزادیٔ فکر و عمل کے بے لگام جذبوں کی بھینٹ چڑھ گئے۔

آخر میں علامہ اقبال جب دیکھتے ہیں کہ آزادیٔ نسواں کے غلغلے عام ہو چکے ہیں۔ دانش فرنگ کی تقلید مشرقی عورتوں کی گھٹی میں رچی جا چکی ہے۔ راگ رنگ کی محفلیں، رقص و سرور کے مشغلے عروج پر ہیں۔ اصلاح طلب حضرات بھی جب دہشت سے پھٹی ہوئی آنکھوں کے ساتھ فرنگی عورت کی زینت و آرائش کا جائزہ لیتے ہیں تو کہتے ہیں کاش! ہماری عورتیں بھی اس روش پر چلیں تو ایسے حالات میں علامہ اقبال آقائے نامدار مدنی تاجدار حضور اکرم ﷺ کے حضور یوں فریاد کناں ہوتے ہیں:

تو اے مولائے یثرب ﷺ آپ میری چارہ سازی کر
میری دانش ہے افرنگی ، میرا ایمان ہے زُنّاری

کیونکہ:

مجھے تہذیب حاضر نے عطا کی ہے وہ آزادی
کہ ظاہر میں تو آزادی ہے باطن میں گرفتاری

اہل مغرب نے نسوانیت کی رعایت کیے بغیر عورت کو اس کی آئیڈیل زندگی سے نوازا۔ اس کو مساوات بھی دی اور مطلوبہ آزادی بھی نتیجہ کیا نکلا گھر کے گھر تباہ ہو گئے۔ اس ضمن میں سلمیٰ سیہول کا تبصرہ ملاحظہ ہو:

''مغرب کی عورت بڑی مظلوم ہے مساوات و برابری کے شوق میں وہ ذمہ داریوں کا دہری چکی میں پس رہی ہے۔ مگر وہ آزدی نسواں کے نام نہاد عنوان پر اپنی مظلومیت سے واقف تک نہ ہے۔ اسے اپنا وجد برقرارر رکھنے کے لیے محنت و مزدوری کرنا پڑتی ہے۔ بقائے نسل کی بنیادی ذمہ داری سے بھی جان نہیں چھوٹتی۔ خود کو زندہ رکھنے کے لیے عریانی کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ اس نے مرد کی توجہ حاصل کرنے کے لیے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا مگر اس کے باوجود بھیا سے مرد کی طرف سے تحفظ میسر نہیں ہے۔ نہ تو شوہر اس کی کفالت کی ذمہ داری قبول کرتا ہے اور نہ والدین بالغ ہونے کے بعد اسے تحفظ فراہم کرتے ہیں۔'' (۳۸)

آزادیٔ نسواں کے مضمرات سے اے۔ فاروق نے فکر اقبال کی روشنی میں یوں آگاہ کیا ہے:

''مغربی عورت آزادی کے لیے جدوجہد کر رہی ہے۔ نقاب کی بندش اور گھر کی چاردیواری کو پھاند کر سوشل ہونے کی متمنی ہے۔ تعلیم پر پابندی ہے لیکن اقبال اس جلوت کو اس کے حق میں رحمت سمجھتا ہے۔ عورت کی زیورات اور جواہرات وغیرہ سے جو محبت ہے وہ یقیناً آزادی سے بھی نہیں ہو سکتی لیکن آزادی ہی وہ بلا ہے جو عورت کی محبوب ترین متاع حیا کو بھی اس سے چھین لیتی ہے:

کیا گزری جو کل پردے کے عدو رو رو کے پولیس سے کہتے تھے
عورت بھی گئی ، غیرت بھی گئی ، راحت بھی گئی ، زیور بھی گیا(۳۹)

اسی بابت محبوب ارشد اشک مختصر مگر جامع تبصرہ ان الفاظ کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

''مغربی تعلیم نے عورت کو چراغخانہ کی بجائے شمع محفل بنا دیا ہے۔ اسی بوکھلاہٹ میں وہ کبھی آزادئ نسواں کا ڈھونگ رچاتی ہے کبھی حقوق کا مطالبہ کرتی ہے حالانکہ قرآن پاک میں واضح ارشاد مقدس ہے ''الرجال قوامون علی النساء''، ''مرد عورت پر ایک بالا رہنے والی طاقت ہے'' مگر آج مغرب کے دیے گئے نظام میں عورت کسی طریقہ پر بھی مرد کی محکومی کے لیے تیار نہیں ہے بلکہ وہ روز و شب اس کوشش میں ہے کہ کسی نہ کسی طرح مرد سے سبقت لے جائے۔''(۴۰)

درج بالا نثر پارہ اس حقیقت کا ترجمان ہے کہ عصرِ حاضر کی عورت مغربی افکار پر عمل پیرا ہے اور اسلامی اصولوں کو جھٹلا رہی ہے۔

مخلوط تعلیم کے بارے نقطۂ نظر

اقبال کا مخلوط تعلیم کے بارے موقف بڑا واضح تھا آپ اپنے موقف سے ایک بال برابر بھی پیچھے نہ ہٹنا چاہتے تھے۔ اس کا جائزہ نسرین اختر نے یوں لیا ہے:

''مخلوط تعلیم بارے علامہ کی دوٹوک رائے کا اظہار اس وقت ہوا جس وقت آپ سفر انگلستان سے واپس آئے۔ آپ سے سوال کیا گیا کہ جب قرآن کریم تمام انسانوں کو علم حاصل کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔ تو پھر لڑکوں اور لڑکیوں کی جدید تعلیمی سہولتوں پر کیوں قدغن لگائی جاتی ہے؟ اس کے جواب علامہ صاحب نے ارشاد فرمایا ''بے شک قرآن حکیم میں حصول علم پر زور دیا گیا ہے مگر یہ کہاں کہا گیا ہے کہ لڑکے لڑکیاں ایک جگہ تعلیم حاصل کریں۔''(۴۱)

یہ نثر پارہ مظہر ہے اس بات کا کہ اقبال مخلوط تعلیم کے حق میں نہ تھے، یہی وجہ ہے کہ وہ لڑکے اور لڑکیوں کے علم کے حصول کے لیے الگ یونیورسٹی کے قیام کی ضرورت کو شدت سے محسوس کرتے تھے۔

محبوب ارشد اشک نے انتہائی انہاک کے ساتھ ''مکالماتِ اقبال'' مرتب کیے ہیں انہیں دیکھنے کے بعد اقبال کا مخلوط تعلیم بارے موقف مزید نکھر کر سامنے آتا ہے:

''۔۔۔۔راوی۔۔۔۔میاں صاحب سے علامہ صاحب کے دیرینہ مراسم تھے ایک روز ان

کے ہاں تقریب تھی انہوں نے اپنے بیٹے ایم اسلم کو علامہ کے ہاں بھیجا

ایم اسلم۔۔۔۔اَلسَّلامُ علیکم ڈاکٹر صاحب

علامہ۔۔۔۔آؤ جی میاں جی۔۔۔۔میں جی خیریت

ایم اسلم۔۔۔۔شکر ہے سب ٹھیک ہے

علامہ۔۔۔۔کیسے آنا ہوا

ایم اسلم۔۔۔۔آج ہمارے گھر میں خاندانی تقریب ہے اگر آپ کے ساتھ بیگم صاحبہ بھی تقریب میں شامل ہوں تو ہماری حوصلہ افزائی ہو گی

علامہ۔۔۔۔(کچھ توقف کے بعد) میاں صاحب کی خدمت میں میرا سلام عرض کرنا اور کہنا کہ میں عورتوں کی محفلوں میں مل جل کر بیٹھنا پسند نہیں کرتا یہ ہمارے لیے مفید نہیں ہے۔

راوی۔۔۔۔ایم اسلم کا بیان ہے گرمیوں کا موسم تھا علامہ صاحب حسب دستور کوٹھی کے برآمدے میں آرام فرما رہے تھے۔دوسری جانب محمد حسین بیٹھے تھے۔ایک صاحب جو اخبار کے رپورٹر تھے، ہانپتے کانپتے آئے:

محمد حسین۔۔۔۔کہاں سے آ رہے ہو

رپورٹر۔۔۔۔سیدھا سینٹ ہال کی میٹنگ سے

علامہ۔۔۔۔کیا ہوا وہاں

رپورٹر۔۔۔۔آج خلیفہ صاحب نے سینٹ میں مخلوط تعلیم کا ریزولیشن پاس کرا لیا ہے۔

علامہ۔۔۔۔(غصے سے چہرہ سرخ اور پلنگ پر زور سے ہاتھ مارتے ہوئے) آج مسلمانوں پر ذلت کی مہر لگا دی گئی ہے۔''(۴۲)

مسلم خواتین کی آزاد یونیورسٹی کا تصور اقبال کے بدیں تصورات میں سے ہے علامہ اقبال نے کئی مواقع پر مسلم خواتین کی ''جامعہ'' کے بارے اظہارِ خیال کیا ہے یہاں اس امر کی وضاحت محمد ریاض کے بقول ملاحظہ ہو:

''علامہ اقبال کو ربُّ العزَّت نے ایسا متفکر ذہن عطا فرمایا تھا کہ اس کی مثال تاریخ عالم میں کم ہی ملتی ہے۔آپ نے عورتوں کے لیے علیحدہ یونیورسٹی کا تصور پیش کیا تھا مگر مسلسل بیماری نے پیچھا نہ چھوڑا۔جس کی وجہ سے آپ اسے عملی جامہ نہ پہنا سکے۔''(۴۳)

ڈاکٹر صاحب منطقی اور فلسفیانہ انداز میں مردوں اور عورتوں کو ایسے خوش رنگ اور مہکتے پھولوں سے تعبیر کیا کرتے تھے جن کو پروان چڑھانے کے لیے جداگانہ اقسام کی کھاد درکار ہوتی ہے۔وہ زن و مرد کی ترقی، نشوونما اور تعلیم و تربیت کے لیے جداگانہ میدانِ عمل کے قائل تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جسمانی طور پر بھی ایک دوسرے سے مختلف بنایا ہے اور فرائض کے اعتبار سے بھی فولاد اور پھول کی ڈالی سے ایک جیسا کام نہیں لیا جا سکتا۔

درج بالا پیرا گراف کا بغور جائزہ لینے کے بعد یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ اقبال مردوں اور عورتوں کے مخلوط تعلیم کے حق میں نہ تھے۔

ماحصل

فکرِ اقبال کی روشنی میں تعلیمِ نسواں کی ترجیحات وتحفظات کا ماحصل یہ ہے۔

مرد کی تعلیم فردِ واحد کی تعلیم ہے۔عورت کی تعلیم ایک خاندان کی تعلیم ہے۔عورت کو تعلیم نہ دینے کا مقصد آدھی قوم کو جاہل رکھنا ہے۔ ماں اور بیوی کے روپ میں عورت کی تعلیم کو کسی صورت نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔قرآنِ مجید مخزن العلوم ہے اس کا مطالعہ نصابِ تعلیم کا لازمی حصہ ہونا چاہیے۔مردوں کے نصابِ تعلیم سے ہٹ کر عورتوں کے لیے نصابِ تعلیم میں تخصیص کا خیال رکھا جائے۔تعلیمِ نسواں ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن اور بناتُ الرّسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی مقدس سیرت کے پیرائے اور روشنی میں دی جائے تو وہی امت مسلمہ کے لیے مددگار ثابت ہوگی۔شرعی پردہ یا حجاب تعلیمِ نسواں کی راہ میں رکاوٹ نہیں ہے۔ امومت کے فریضہ کے لیے تعلیم کی گراں قدر اہمیت ہے مگر تہذیبِ فرنگی کی تعلیم موت کے مترادف ہے۔مدرسۂ زن کو ہر حال میں دین سے آشنا رہنا چاہیے۔فریضۂ امومت جاری رہنا چاہیے۔بے کار مرد اور تہی آغوش عورت معاشرے کا کمال نہیں بلکہ زوال کی علامت ہے۔تعلیم کا ہنر خواتین کو سیکھتے رہنا چاہیے مگر پاکئ عقل وخرد،عفتِ قلب ونگاہ کو ہاتھ سے نہیں جانے دینا ہوگا۔ تاریخِ اسلام کی جلیل القدر خواتین کی باپردہ رہتے ہوئے جنگ میں پیش کی گئی بہادری اور قربانی کی عظیم اور درخشندہ مثالیں طبقۂ خواتین کے لیے آج بھی بہترین مثال ہیں۔اقبال غلبۂ دانشِ فرنگ کو دیکھ کر معلمِ انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں:

تو اے مولائے یثربؐ آپ میری چارہ سازی کر

سفارشات

۱۔ خواتین کی تعلیم پر مسلم معاشرہ میں کوئی سمجھوتہ نہ کیا جائے۔
۲۔ خواتین کے کردار،تربیت اور چادر چاردیواری پر خصوصی توجہ دی جائے۔
۳۔ خواتین کے کردار کو بطور مثالی ماں معاشرہ میں اُجاگر کیا جائے۔
۴۔ بے جا آزادئ نسواں اور آزادئ افکار کو فروغ نہ دیا جائے۔
۵۔ خاتون کو شمعِ محفل کی بجائے چراغِ خانہ کی حیثیت سے تعلیم کے میدان میں آگے بڑھنے کے مواقع دیے جائیں۔
۶۔ تاریخِ اسلام میں خواتین کے جنگوں میں شرعی حجاب کی پاسداری کے ساتھ تاریخ ساز کردار کو نصابِ تعلیم کا حصہ بنایا جائے۔
۷۔ جس علم کی تاثیر سے زن نازن ہو اُس علم سے اجتناب کیا جائے۔
۸۔ مملکتِ پاکستان کی حکومت کو تعلیمِ نسواں کے فروغ وارتقا کے لیے سنجیدگی سے ہر سطح پر بھرپور اقدامات کرنے چاہییں۔
۹۔ تعلیمی افکارِ اقبال کو قومی وصوبائی تعلیمی پالیسی سازی کا حصہ بنایا جائے۔
۱۰۔ ممتاز مسلم مفکرین تعلیم، بانی پاکستان اور مصورِ پاکستان کے افکارِ تعلیم کی روشنی میں تعلیمی ترجیحات کا تعین کیا جائے۔

حوالہ جات

۱۔ محمد اقبال،ضربِ کلیم، لاہور: شیخ غلام علی پبلشرز،طبع اول،۱۹۳۶ء،ص:۵۶

۲۔ غلام عابد خان،مضمون: اساسی تعلیمی مسائل اور فکر اقبال،مشمولہ: تعلیمات، ماہنامہ،اقبال اور تعلیم نمبر، جلد۱۲،شمارہ ۷۔۹، لاہور: انجمن فاضلین ادارہ تعلیم و تحقیق، جامعہ پنجاب، جولائی تا ستمبر ۱۹۸۹ء،ص:۲۹۳۔۲۹۵

۳۔ نسرین اختر،اقبال اور وجود زن، لاہور: ادارہ تحقیق و تصنیف پاکستان،۱۹۷۸ء،ص:۲۸

۴۔ محمد اقبال، گفتارِ اقبال، مرتبہ: محمد رفیق افضل، لاہور: ادارہ تحقیقات پاکستان،۱۹۶۹ء،ص:۲۱۳

۵۔ نسرین اختر،اقبال اور وجود زن،ص:۴۰

۶۔ ایضاً،ص:۴۰

۷۔ محمد ارشد،علامہ اقبال اور مسلم مفکرین کے تعلیمی نظریات کا موازنہ،مقالہ ایم اے ایجوکیشن،اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور،۱۹۹۵ء،ص:۸۰

۸۔ محمد جلیل نقوی،مطالعہ اقبال، لاہور: علمی کتب خانہ،س ن،ص:۱۹۲

۹۔ سعید اختر،مہر،مضمون: تعلیمِ نسواں،مشمولہ: تعلیمات، ماہنامہ،اقبال اور تعلیم نمبر،جلد۱۲،شمارہ۷۔۹، لاہور: انجمن فاضلین ادارہ تعلیم و تحقیق، جامعہ پنجاب، جولائی تا ستمبر ۱۹۸۹ء،ص:۳۷

۱۰۔ محمد ریاض،اقبال کے تعلیمی نظریات، لاہور: گلوب پبلشرز،۱۹۷۸ء،ص:۱۳۷

۱۱۔ ایضاً،ص:۱۸۴

۱۲۔ ظفر اقبال محسن،مضمون: اقبال اور ڈاکٹر اسرار احمد کے تعلیمی نظریات،مشمولہ: حکمت القرآن، ماہنامہ، لاہور: مرکزی انجمن خدام القرآن، ۱۹۸۸ء،ص:۸۰

۱۳۔ نسرین اختر،اقبال اور وجود زن،ص:۸۷

۱۴۔ محمد اقبال،مقالات اقبال،مرتبہ: عبدالواحد معینی، لاہور: اشرف پریس،طبع اول،۱۹۹۳ء،ص:۴۷

۱۵۔ محمد اقبال،کلیاتِ اقبال،ارمغانِ حجاز، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز،۱۹۷۳ء،ص:۴۹

۱۶۔ نسرین اختر،اقبال اور وجود زن،ص:۴۶

۱۷۔ محمد اقبال،ضربِ کلیم،ص:۸۳

۱۸۔ ایضاً،ص:۹۴۔۹۳

۱۹۔ محمد جلیل نقوی،مطالعہ اقبال،ص:۱۹۰

۲۰۔ فائزہ تسکین بتول،مضمون: کلام اقبال میں عورت کا مقام،مشمولہ: جنگ ،روزنامہ،اشاعتِ خصوصی،۹ نومبر ۲۰۰۴ء،ص:۱

۲۱۔ محمد جلیل نقوی،مطالعہ اقبال،ص:۱۹۵

۲۲۔ فروغ احمد،مضمون: تعلیم نسواں کی اصل غایت،مشمولہ: تعلیمات، ماہنامہ،اقبال اور تعلیم نمبر، جلد۱۲،شماہ ۷۔۹،انجمن فاضلین ادارہ تعلیم تحقیق، جامعہ پنجاب، جولائی تا ستمبر ۱۹۸۹ء،ص:۱۹۸

۲۳۔ وسیم احمد فاروقی ندوی،علامہ اقبال اور سید مودودی،افکار ونظریات کا تقابلی مطالعہ، لاہور: حسنات اکیڈمی،۱۹۸۸ء،ص:۹۰

۲۴۔ حمیداللہ ہاشمی،اقبال کا خصوصی مطالعہ، لاہور: شیخ محمد بشیر اینڈ سنز،س ن،ص:۹۰

۲۵۔ محمد اقبال،ضربِ کلیم،ص:۹۲
۲۶۔ نسرین اختر،اقبال اور وجودِ زن،ص:۸۵
۲۷۔ ایضاً،ص:۹۰۔۸۶
۲۸۔ محمد جلیل نقوی،مطالعہ اقبال،ص:۱۹۴
۲۹۔ محمد اقبال،ضربِ کلیم،ص:۹۶
۳۰۔ ایضاً،ص:۱
۳۱۔ غلام عابد خان،مضمون:اساسی تعلیمی مسائل اور فکرِ اقبال،مشمولہ:تعلیمات، ماہنامہ،اقبال اور تعلیم نمبر،جلد۱۲،شمارہ ۷۔۹،ص:۳۹۳
۳۲۔ نسرین اختر،اقبال اور وجودِ زن،ص:۶۲
۳۳۔ غلام عابد خان،مضمون:اساسی تعلیمی مسائل اور فکرِ اقبال،مشمولہ:تعلیمات، ماہنامہ،اقبال اور تعلیم نمبر،جلد۱۲،شمارہ ۷۔۹،ص:۸۲۔۱۸۰
۳۴۔ فائزہ تسکین بتول،مضمون: کلامِ اقبال میں عورت کا مقام،مشمولہ: جنگ، روزنامہ، اشاعتِ خصوصی، ۹ نومبر ۲۰۰۴ء،ص:۱
۳۵۔ حمید اللہ ہاشمی،اقبال کا خصوصی مطالعہ،ص:۹۱
۳۶۔ ایضاً،ص:۹۱
۳۷۔ وسیم احمد فاروقی ندوی،علامہ اقبال اور سید مودودی،افکار و نظریات کا تقابلی مطالعہ،ص:۸۶
۳۸۔ سلمیٰ سہول، مساواتِ مرد و زن اور آزادیٔ نسواں،مشمولہ: ضیائے حرم، ماہنامہ، جلد ۶، شمارہ ۱۲، لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، اپریل ۱۹۹۵ء،ص:۶۵
۳۹۔ فاروق، اے، اوجِ اقبال، لاہور: نیو بک پیلس، س ن،ص:۴۰۷
۴۰۔ محبوب ارشد اشک، اقبال کی نظر میں عورت کا مقام،مشمولہ:خبر و نظر، ماہنامہ، اقبال نمبر،شمارہ ۸۷، گوجرانوالہ: گورنمنٹ کالج، ۱۴۰۹ھ، ص:۳۵
۴۱۔ نسرین اختر،اقبال اور وجودِ زن،ص:۱۷
۴۲۔ محبوب ارشد اشک،مرتب: مکالماتِ اقبال،جہلم: بک کارنر،۱۹۶۲ء،ص:۳۹۔۳۸
۴۳۔ محمد ریاض،اقبال کے تعلیمی نظریات،ص:۳۷

☆......☆......☆